

تفہیم القرآن

الرُّوم

نام | پہلی ہی آیت کے لفظ غَلَبَتْ الرُّوم سے ماخوذ ہے۔
 زمانہ نزول | آغاز ہی میں جس تاریخی واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے زمانہ نزول
 قطعی طور پر متعین ہو جاتا ہے۔ اس میں ارشاد ہوا ہے کہ قریب کی سرزمین میں رومی
 مغلوب ہو گئے ہیں۔ اُس زمانے میں عرب سے متصل رومی مقبوضات اُردن، شام
 اور فلسطین تھے۔ ان علاقوں میں رومیوں پر ایرانیوں کا غلبہ ۶۱۵ء میں مکمل ہو
 تھا۔ اس لیے پوری صحت کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سورۃ اُسی سال نازل
 ہوئی تھی، اور یہ وہی سال تھا جس میں ہجرت حبشہ واقع ہوئی۔

تاریخی پس منظر | جو پیشین گوئی اس سورے کی ابتدائی آیات میں کی گئی ہے وہ
 قرآن مجید کے کلام الہی ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسولِ برحق ہونے
 کی نمایاں ترین شہادتوں میں سے ایک ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے ضروری ہے
 کہ اُن تاریخی واقعات پر ایک تفصیلی نگاہ ڈالی جاتے جو ان آیات سے
 تعلق رکھتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت - ۸ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ قیصر روم
 ماریس (MAURICE) کے خلاف بغاوت ہوئی اور ایک شخص فوکاس
 (PHUCAS) تختِ سلطنت پر قابض ہو گیا۔ اس شخص نے پہلے تو قیصر کی آنکھوں
 کے سامنے اس کے پانچ بیٹوں کو قتل کرایا، پھر خود قیصر کو قتل کر کے باپ

بیٹوں کے مہتر قسطنطنیہ میں بربر عام ٹکوا دیئے۔ اور اس کے چند روز بعد اس کی بیوی اور تین لڑکیوں کو بھی مروا ڈالا۔ اس واقعہ سے ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کو روم پر حملہ آور ہونے کے لیے بہترین اخلاقی بہانہ مل گیا۔ قیصر مارسیس اس کا عمن تھا۔ اسی کی مدد سے پرویز نے کو ایران کا تخت نصیب ہوا تھا۔ اسے وہ اپنا باپ کہتا تھا۔ اس نے اعلان کیا کہ میں غاصب فوکاس سے اس ظلم کا بدلہ لوں گا جو اس نے میرے مجازی باپ اور اس کی اولاد پر ڈھایا ہے۔ ۶۱۰ء میں اس نے سلطنت روم کے خلاف جنگ کا آغاز کیا اور چند سال کے اندر وہ فوکاس کی فوجوں کو پے در پے شکستیں دیتا ہوا ایک طرف ایشیا سے کوچک میں ایدریا (موجودہ اورخا) تک اور دوسری طرف شام میں حلب اور انطاکیہ تک پہنچ گیا۔ روم کے اعیان سلطنت یہ دیکھ کر کہ فوکاس ملک کو نہیں بچا سکتا، افریقیہ کے گورنر سے مدد کے طالب ہوئے۔ اس نے اپنے بیٹے ہیرقل (HERACLIUS) کو ایک طاقت ور ہیرے کے ساتھ قسطنطنیہ بھیج دیا۔ اس کے پہنچتے ہی فوکاس معزول کر دیا گیا، اس کی جگہ ہیرقل قیصر بنایا گیا، اور اس نے بربر اقتدار آکر فوکاس کے ساتھ وہی کچھ کیا جو اس نے مارسیس کے ساتھ کیا تھا۔ یہ ۶۱۰ء کا واقعہ ہے، اور یہ وہی سال ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت پر مرفراز ہوئے تھے۔

خسرو پرویز نے جس اخلاقی بہانے کو بنیاد بنا کر جنگ چھیڑی تھی، فوکاس کے عزل اور قتل کے بعد وہ ختم ہو چکا تھا۔ اگر واقعی اس کی جنگ کا مقصد غاصب فوکاس سے اس کے ظلم کا بدلہ لینا ہوتا تو اس کے مارے جانے پر اسے نئے قیصر سے صلح کر لینی چاہیے تھی۔ مگر اس نے پھر بھی جنگ جاری رکھی، اور اب اس جنگ کو اس نے مجوسیت اور مسیحیت کی مذہبی جنگ کا رنگ دے دیا۔ عیسائیوں کے

جن فرقوں کو رومی سلطنت کے سرکاری کلیسا نے محدود قرار دیکر ساہا سال سے تختہ مشق ستم بنا رکھا تھا (یعنی نستوری اور یعقوبی وغیرہ) ان کی ساری بیدریاں بھی مجوسی حملہ آوروں کے ساتھ ہو گئیں۔ امدید یہودیوں نے بھی مجوسیوں کا ساتھ دیا، حتیٰ کہ خسرو پرویز کی فوج میں بھرتی ہونے والے یہودیوں کی تعداد ۲۶ ہزار تک پہنچ گئی۔

ہرقل آ کر اس سیلاب کو نہ روک سکا۔ تخت نشین ہوتے ہی پہلی اطلاع جو اسے مشرق سے ملی وہ اناطولیہ پر ایرانی قبضے کی تھی۔ اس کے بعد ۶۱۳ء میں دمشق فتح ہوا۔ پھر ۶۱۴ء میں بیت المقدس پر قبضہ کر کے ایرانیوں نے سچی دنیا پر قیامت ڈھادی۔ ۹۰ ہزار عیسائی اس شہر میں قتل کیے گئے۔ ان کا سب سے زیادہ مقدس کلیسا، کنیستہ القیامہ (HOLY SEPULCHRE) برباد کر دیا گیا۔ اصلی صلیب، جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ اسی پر مسیح نے جان دی تھی، مجوسیوں نے چھین کر مدائن پہنچا دی۔ لاٹ پادری زکریا کو بھی وہ پکڑ لے گئے اور شہر کے تمام بڑے بڑے گرجوں کو انہوں نے مسمار کر دیا۔ اس فتح کا نشہ جس بری طرح خسرو پرویز پر چڑھا تھا اس کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے جو اس نے بیت المقدس سے ہرقل کو لکھا تھا۔ اس میں وہ کہتا ہے:

”سب خداؤں سے بڑے خدا، تمام روٹے زمین کے مالک خسرو کی طرف سے اس کے کعبہ اور بے شعور بندے ہرقل کے نام۔

تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے رب پر بھروسہ ہے۔ کیوں نہ تیرے رب نے پرولم کو میرے ہاتھ سے بچالیا؟“

اس فتح کے بعد ایک سال کے اندر اندر ایرانی فوجیں اردن، فلسطین اور جزیرہ نمائے سینا کے پورے علاقے پر قابض ہو کر حدود مقرر تک پہنچ گئیں یہ

وہ زمانہ تھا جب مکہ معظمہ میں ایک اور اس سے بدرجہا زیادہ تاریخی اہمیت رکھنے والی جنگ برپا تھی۔ یہاں توحید کے علمبردار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں، اور شرک کے پیروکار سرداران قریش کی رہنمائی میں ایک دوسرے سے برسرِ جنگ تھے، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ۶۱۵ء میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنا گھر بار چھوڑ کر حبش کی عیسائی سلطنت میں دحروم کی حلیف تھی، پناہ لینی پڑی۔ اس وقت سلطنت روم پر ایران کے غلے کا چرچا ہرزبان پر تھا۔ کتے کے مشرکین اس پر غلبے بجا رہے تھے اور مسلمانوں سے کہتے تھے کہ دیکھو! ایران کے آتش پرست فتح پارہے ہیں اور وحی و رسالت کے ماننے والے عیسائی شکست پر شکست کھاتے چلے جا رہے ہیں۔ اسی طرح ہم عرب کے بت پرست بھی نہیں اور تمہارے دین کو مٹا کر رکھ دیں گے۔

ان حالات میں قرآن مجید کی یہ سورۃ نازل ہوئی اور اس میں یہ پیشین گوئی کی گئی کہ ”قریب کی سرزمین میں رومی مغلوب ہو گئے ہیں، مگر اس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر ہی وہ غالب آجائیں گے، اور وہ دن وہ ہو گا جب کہ اللہ کی دی ہوئی فتح سے اہل ایمان خوش ہو رہے ہونگے۔“ اس میں ایک کے بجائے دو پیشین گوئیاں تھیں۔ ایک یہ کہ رومیوں کو غلبہ نصیب ہو گا۔ دوسری یہ کہ مسلمانوں کو بھی اسی زمانے میں فتح حاصل ہوگی۔ بظاہر دور دور تک کہیں اس کے آثار موجود نہ تھے کہ ان میں سے کوئی ایک پیشینگوئی بھی چند سال کے اندر پوری ہو جائے گی۔ ایک طرف مٹھی بھر مسلمان تھے جو مکے میں مارے اور کھڈیرے جا رہے تھے اور اس پیشینگوئی کے بعد بھی آٹھ سال تک ان کے لیے غلبہ و فتح کا کوئی امکان کسی کو نظر نہ آتا تھا۔ دوسری طرف روم کی مغلوبیت روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ ۶۱۹ء تک پورا مصر ایران کے قبضے میں چلا گیا اور مجموعی خوجوں نے طرابلس کے قریب

پہنچ کر اپنے جھنڈے گاڑ دیئے۔ ایشیا نے کہ چک میں ایرانی فوجیں رومیوں کو مارتی رہاتی باسفورس کے کنارے تک پہنچ گئیں اور ۶۱۷ء میں انہوں نے عین قسطنطنیہ کے سامنے خلیقہ دون (CHALCEDON) موجودہ قاضی کوئی) پر قبضہ کر لیا۔ قیصر نے خسرو کے پاس اپنی بھیج کر نہایت عاجزی کے ساتھ درخواست کی کہ میں ہر قیمت پر صلح کرنے کے لیے تیار ہوں، مگر اس نے جواب دیا کہ اب میں قیصر کہ اس وقت تک امان نہ دوں گا جب تک وہ پانزنجیر میرے سامنے حاضر نہ ہو اور اپنے خدائے مصلوب کو چھوڑ کر خداوند آتش کی بندگی نہ اختیار کرے۔ آخر کار قیصر اس حد تک شکست خوردہ ہو گیا کہ اس نے قسطنطنیہ چھوڑ کر قرطاجنہ (CARTHAGE) موجودہ تونس) منتقل ہو جانے کا ارادہ کر لیا۔ غرض انگریز مورخ لیکن کے بقول، قرآن مجید کی اس پیشین گوئی کے بعد بھی سات آٹھ برس تک حالات ایسے تھے کہ کوئی شخص یہ تصور تک نہ کر سکتا تھا کہ رومی سلطنت ایران پر غالب آجائے گی، بلکہ علیہ تو درکنار اس وقت تو کسی کو یہ امید بھی نہ تھی کہ اب یہ سلطنت زندہ رہ جائے گی۔

قرآن کی یہ آیات جب نازل ہوئیں تو کفار مکہ نے ان کا خوب مذاق اڑایا اور ابی بن خلف نے حضرت ابو بکرؓ سے شرط بندی کہ اگر تین سال کے اندر رومی غالب آگئے تو دس اونٹ میں دو لگا ورنہ دس اونٹ تم کو دینے ہو گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ قرآن میں فی بیض سینین کے الفاظ آئے ہیں، اور عربی زبان میں بیض کا اطلاق دس سے کم پر ہوتا ہے، اس لیے دس سال کے اندر کی شرط کو دوا اور اونٹوں کی تعداد بڑھا کر سو کر دو۔ چنانچہ حضرت ابو بکر نے ابی سے پھر بات کی اور نئے سرے سے یہ شرط ہوئی کہ دس سال کے اندر فریقین میں سے جس کی بات غلط ثابت ہوگی وہ سو اونٹ

دے گا۔

۶۲۲ء میں ادھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور ادھر قبیر پر قتل خاموشی کے ساتھ قسطنطنیہ سے بحر اسود کے راستے طرانہوں کی طرف روانہ ہوا جہاں اُس نے ایران پر پشت کی طرف سے حملہ کرنے کی تیاری کی۔ اس جہاز پر حملے کی تیاری کے لیے قبیر نے کلیسا سے روپیہ مانگا اور سچی کلیسا کے اسقف اعظم سر جیس (SERGIUS) نے مسیحیت کو عجمیت سے بچانے کے لیے گرجاؤں کے نذرانوں کی جمع شدہ دولت کو بھروسہ دیا۔ ہرقل نے اپنا حملہ ۶۲۳ء میں ارمینیا سے شروع کیا اور دوسرے سال ۶۲۴ء میں اس نے اذربائیجان میں گس کر زرتشت کے مقام پیدا آتش ارمیاہ (CLORUMIA) کو تباہ کر دیا اور ایرانیوں کے سب سے بڑے آتش کدے کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ خدا کی قدرت کا کرم دیکھیے کہ یہی وہ سال تھا جس میں مسلمانوں کو بدر کے مقام پر پہلی مرتبہ مشرکوں کے مقابلے میں فیصلہ کن فتح نصیب ہوئی۔ اس طرح وہ دونوں پیشینگوئیاں جو سورہ روم میں کی گئی تھیں، دس سال کی مدت ختم ہونے سے پہلے ایک وقت پوری ہو گئیں۔

پھر روم کی فوجیں ایرانیوں کو مسلسل دباتی چلی گئیں۔ نینوسی کی فیصلہ کن ٹاسی (۶۲۴ء) میں انہوں نے سلطنت ایران کی مکر توڑ دی۔ اس کے بعد شاہان ایران کی قیام گاہ دستگرد دستگرد الملک کو تباہ کر دیا گیا اور آگے بڑھ کر ہرقل کے لشکر عین طیسفون (CTESIPHON) کے سامنے پہنچ گئے جو اس وقت ایران کا دارالسلطنت تھا۔ ۶۲۸ء میں خسرو پرویز کے خلاف گھر میں بغاوت رونما ہوئی وہ قید کیا گیا، اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے ۱۸ بیٹے قتل کر دیئے گئے، اور چند روز بعد وہ خود قید کی سختیوں سے ہلاک ہو گیا۔ یہی سال تھا جس میں صلح حدیبیہ

واقع ہوئی جسے قرآن ”نوح عظیم“ کے نام سے تعبیر کرتا ہے، اور یہی سال تھا جس میں خسرو کے بیٹے قباد ثانی نے تمام رومی مقبوضات سے دست بردار ہو کر اور اصلی صلیب واپس کر کے روم سے صلح کر لی۔ ۶۲۹ء میں قیصر مقدس صلیب کو اس کی جگہ رکھنے کے لیے خود بیت المقدس گیا، اور اسی سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ القضاء ادا کرنے کے لیے ہجرت کے بعد پہلی مرتبہ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔

اس کے بعد کسی کے لیے بھی اس امر میں شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی کہ قرآن کی پیشین گوئی بالکل سچی تھی۔ عرب کے بکثرت مشرکین اس پر ایمان لے آئے۔ اُبی بن خلف کے وارثوں کو ہارمان کر شرط کے اونٹ ابو بکر صدیق کے حوالے کرنے پڑے۔ وہ انہیں لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے حکم دیا کہ انہیں صدقہ کر دیا جائے۔ کیونکہ شرط اس وقت ہوئی تھی جب شریعت میں جوئے کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا، مگر اب حرمت کا حکم آچکا تھا۔ اس لیے جو نبی کافروں سے شرط کا مال تو لے لینے کی اجازت دے دی گئی مگر ہدایت کی گئی کہ اسے خود استعمال کرنے کے بجائے صدقہ کر دیا جائے۔

موضوع اور مضمون | اس سورہ میں کلام کا آغاز اس بات سے کیا گیا ہے کہ آج رومی مغلوب ہو گئے ہیں اور ساری دنیا یہ سمجھ رہی ہے کہ اس سلطنت کا خاتمہ قریب ہے، مگر چند سال نہ گزرنے پائیں گے کہ پانسہ پلٹ جائے گا اور جو مغلوب ہے وہ غالب ہو جائے گا۔ اس تمہید سے یہ مضمون نکل آیا کہ انسان اپنی سطح یعنی کی وجہ سے وہی کچھ دیکھتا ہے جو نظر اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے، مگر اس ظاہر کے پردے کے پیچھے جو کچھ ہے اس کی اسے خبر نہیں ہوتی۔ یہ ظاہر یعنی حجب دنیا کے ذرا ذرا سے معاملات میں غلط فہمیوں اور غلط اندازوں کی موجب ہوتی ہے، اور جبکہ محض اتنی سی بات نہ جاننے کی وجہ سے کہ ”کل کیا ہونے والا ہے“ آدمی غلط سمجھنے لگا بیٹھتا ہے، تو پھر

بجائیت مجموعی پوری زندگی کے معاملے میں ظاہر حیات دنیا پر اعتماد کر بیٹھنا اور اسی کی بنیاد پر اپنے پورے سرمایہ حیات کو دائروں پر لگا دینا کتنی بڑی غلطی ہے۔

اس طرح روم و ایران کے معاملے سے تقریر کا رخ آخرت کے مضمون کی طرف پھر جاتا ہے اور مسلسل تین رکوعوں تک طریقے طریقے سے یہ سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ آخرت ممکن بھی ہے، معقول بھی ہے، اس کی ضرورت بھی ہے، اور انسانی زندگی کے نظام کو درست رکھنے کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ آدمی آخرت کا یقین رکھ کر اپنی موجودہ زندگی کا پروگرام اختیار کرے، ورنہ وہی غلطی واقع ہوگی جو ظاہر پر اعتماد کر لینے سے واقع ہوتا کرتی ہے۔

اس سلسلے میں آخرت پر استدلال کرتے ہوئے کائنات کے جن آثار کو شہادت میں پیش کیا گیا ہے وہ بعینہ وہی آثار ہیں جو توحید پر بھی دلالت کرتے ہیں۔ اس لیے جو تمہے رکوع کے آغاز سے تقریر کا رخ توحید کے اثبات اور شرک کے ابطال کی طرف پھر جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ انسان کے لیے فطری دین اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ بالکل ٹیکو ہو کر خدائے واحد کی بندگی کرے۔ شرک فطرت کائنات اور فطرت انسان کے خلاف ہے، اسی لیے جہاں بھی انسان اس گمراہی کو اختیار کیا ہے وہاں فساد رونما ہوا ہے۔ اس موقع پر پھر اس فسادِ عظیم کی طرف، جو اُس وقت دنیا کی دو سب سے بڑی سلطنتوں کے درمیان جنگ کی بدولت برپا تھا، اشارہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ فساد بھی شرک کے نتائج میں سے ہے اور پچھلی انسانی تاریخ میں بھی جتنی قومیں مبتلائے فساد ہوئی ہیں وہ سب بھی شرک ہی تھیں۔

خاتمہ کلام پر تئیل کے پیرایہ میں لوگوں کو سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح مردہ پڑی ہوئی زمین خدا کی بھیجی ہوئی بارش سے یکایک جی اٹھتی ہے اور زندگی دوبارہ

کے خزانے اُگلنے شروع کر دیتی ہے، اسی طرح خدا کی بھیجی ہوئی وحی و نبوت بھی مردہ پڑی ہوئی انسانیت کے حق میں ایک بارانِ رحمت ہے جس کا نزول اس کے لیے زندگی اور نشوونما اور خیر و فلاح کا موجب ہوتا ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاؤ گے تو یہی عوب کی سونے زمین رحمتِ الہی سے لہلہا اٹھے گی اور ساری بھلائی تمہارے اپنے لیے ہی ہوگی۔ اس سے فائدہ نہ اٹھاؤ گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے پھر بچتازے کا کچھ حاصل نہ ہوگا اور تلافی کا کوئی موقع تمہیں میسر نہ آئے گا۔

اللہ کے نام سے جو رحمان اور رحیم ہے

۱۔ ل۔ م۔ رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں، اور اپنی اس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر وہ غالب ہو جاتیں گے۔ اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور بعد

لہ ابن عباسؓ اور دوسرے صحابہؓ تابعین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ روم و ایران کی اس لڑائی میں مسلمانوں کی ہمدردیاں روم کے ساتھ اور کفار مکہ کی ہمدردیاں ایران کے ساتھ تھیں۔ اس کے کئی وجوہ تھے۔ ایک یہ کہ ایرانیوں نے اس لڑائی کو مجوسیت اور مسیحیت کی لڑائی کا رنگ دیا تھا اور وہ ملک گیری کے مقصد سے تجاوز کر کے اسے مجوسیت پھیلانے کا ذریعہ بنا رہے تھے۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد خسرو پرویز نے جو خط قیصر روم کو لکھا تھا اس میں صاف طور پر وہ اپنی فتح کو مجوسیت کے برحق ہونے کی دلیل قرار دیتا ہے۔ اصولی اعتبار سے مجوسیوں کا مذہب مشرکین کے مذہب سے ملتا جلتا تھا، کیونکہ وہ بھی توحید کے منکر تھے، دو خداؤں کو مانتے تھے اور آگ کی پرستش کرتے تھے۔ اس لیے مشرکین کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں۔ ان کے مقابلہ میں مسیحی خواہ کتنے ہی بھلائے شرک ہو گئے ہوں، مگر وہ خدا کی توحید کو اصل دین مانتے تھے، آخرت کے قائل تھے، اور وحی و رسالت کو سرچشمہ ہدایت تسلیم کرتے تھے۔ اس بنا پر ان کا دین اپنی اصل کے اعتبار سے مسلمانوں کے دین سے مشابہت رکھتا تھا، اور اسی لیے مسلمان قدرتی طور پر ان سے ہمدردی رکھتے تھے اور ان

میں بھی۔ اور وہ دن وہ ہوگا جبکہ اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر مسلمان خوشیاں منائیں گے۔ اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے، اور وہ زبردست اور رحیم ہے۔ یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے، اللہ کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں کہ لوگ دنیا کی زندگی کا بس ظاہری پہلو دیکھتے ہیں اور آخرت سے وہ خود ہی غافل

مشرک قوم کا غلبہ انہیں ناگوار تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ ایک نبی کی آمد سے پہلے جو لوگ سابق نبی کو مانتے ہوں وہ اصولاً مسلمان ہی کی تعریف میں آتے ہیں اور جب تک بعد کے آنے والے نبی کی دعوت انہیں نہ پہنچے اور وہ اس کا انکار نہ کریں، ان کا شمار مسلمانوں ہی میں رہتا ہے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر صرف پانچ چھ برس ہی گزرے تھے، اور حضور کی دعوت ابھی تک باہر نہیں پہنچی تھی۔ اس لیے مسلمان عیسائیوں کا شمار کافروں میں نہیں کرتے تھے! لہذا یہی ان کی نگاہ میں کافر تھے، کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر چکے تھے۔ عیسوی وجہ یہ تھی کہ آغاز اسلام میں عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ بھدردی ہی کا برتاؤ ہوا تھا جیسا کہ سورہ قصص رکوع ۶، اور سورہ مائدہ رکوع ۱۱ میں بیان ہوا ہے، بلکہ ان میں سے بہت سے لوگ کھلے دل سے دعوت حق کو قبول کر رہے تھے۔ پھر ہجرت حبشہ کے موقع پر جس طرح حبش کے عیسائی بادشاہ نے مسلمانوں کو پناہ دی اور ان کی واپسی کے لیے کفار مکہ کے مطالبے کو ٹھکرا دیا اس کا بھی یہ تقاضا تھا کہ مسلمان مجوسیوں کے مقابلہ میں عیسائیوں کے خیر خواہ رہیں یعنی پہلے جب ایرانی غالب آئے تو اس بنا پر نہیں کہ معاذ اللہ خداوند عالم ان کے مقابلے میں شکست کھا گیا، اور بعد میں جب رومی فتحیاب ہوئے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا کھیرا ہوا ملک مل جائے گا۔ فرمانروائی تو ہر حال میں اللہ ہی کی ہے۔ پہلے جسے فتح نصیب ہوئی اسے بھی اللہ ہی نے فتح دی، اور بعد میں جو فتح پائے گا وہ بھی اللہ ہی کے حکم سے پائے گا۔ اسکی خدائی میں کوئی اپنے زور سے غلبہ حاصل نہیں کر سکتا۔ جسے وہ اٹھاتا ہے وہی اٹھاتا ہے اور جسے وہ گرتا ہے وہی گرتا ہے۔

۱۔ ابن عباسؓ، ابو سعید خدریؓ، سفیان ثوریؓ، سدی وغیرہ حضرات کا بیان ہے کہ ایرانیوں

ہیں۔ کیا انہوں نے کبھی اپنے آپ میں غور و فکر نہیں کیا؟ اللہ نے زمین اور آسمانوں کو اودھ پر رومیوں کی فتح اور جنگ بدر میں مشرکین پر مسلمانوں کی فتح کا زمانہ ایک ہی تھا، اس لیے مسلمانوں کو دہری خوشی حاصل ہوئی۔ یہی بات ایران اور روم کی تاریخوں سے بھی ثابت ہے۔ ۶۲۳ء ہی وہ سال ہے جس میں جنگ بدر ہوئی، اور یہی وہ سال ہے جس میں قیصر روم نے زرتشت کا مولد تباہ کیا اور ایران کے سب سے بڑے آتشکدے کو مسمار کر دیا۔

لکھ یعنی اگرچہ آخرت پر دلالت کرنے والے آثار و شواہد کثرت سے موجود ہیں اور اس سے غفلت کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے، لیکن یہ لوگ اس سے خود ہی غفلت برت رہے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں، یہ ان کی اپنی کوتاہی ہے کہ دوسری زندگی کے اس ظاہری پردے پر نگاہ جھاکر بیٹھ گئے ہیں اور اس کے پیچھے جو کچھ آنے والا ہے اس سے بالکل بے خبر ہیں، ورنہ خدا کی طرف سے ان کو خبردار کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں ہوئی ہے۔

۵۔ یہ آخرت پر بجا شے خود ایک مستقل استدلال ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر یہ لوگ باہر کسی طرف نگاہ دوڑانے سے پہلے خود اپنے وجود پر غور کرتے تو انہیں اپنے اندر ہی وہ دلائل مل جاتے جو موجودہ زندگی کے بعد دوسری زندگی کی ضرورت ثابت کرتے ہیں۔ انسان کی تین امتیازی خصوصیات ایسی ہیں جو اس کو زمین کی دوسری موجودات سے ممتاز کرتی ہیں:

ایک یہ کہ زمین اور اس کے ماحول کی بے شمار چیزیں اس کے لیے مسخر کر دی گئی ہیں اور ان پر تعارف کے وسیع اختیارات اس کو بخش دیئے گئے ہیں۔

دوسرے یہ کہ اسے اپنی راہ زندگی کے انتخاب میں آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔ ایمان اور کفر، طاعت اور مصیبت، نیکی اور بدی کی راہوں میں سے جس راہ پر بھی جانا چاہے جاسکتا ہے۔ حق اور باطل، صحیح اور غلط، جس طریقے کو بھی اختیار کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ ہر راستے پر چلنے کے لیے اسے توفیق دے دی جاتی ہے اور اس پر چلنے میں وہ خدا کے فراہم کردہ ذرائع استعمال کر سکتا ہے، خواہ وہ خدا کی اطاعت کا راستہ ہو یا اس کی نافرمانی کا راستہ۔

ان ساری چیزوں کو جہان کے درمیان ہیں برحق اور ایک مقرر عدلت ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔
تیسرے یہ کہ اس میں پیدائشی طور پر اخلاق کی حس رکھ دی گئی ہے جس کی بنا پر وہ اختیاری اعمال
میں فرق کرتا ہے، اختیاری اعمال میں نیکی اور بدی کا حکم لگانا ہے، اور بدابترہ یہ رائے قائم کرتا ہے
کہ اچھا عمل جزاء کا اور بُرا عمل سزا کا مستحق ہونا چاہیے۔

یہ تینوں خصوصیتیں جہان انسان کے اپنے وجود میں پائی جاتی ہیں اس بات کی نشان دہی کرتی
ہیں کہ کوئی وقت ایسا ہونا چاہیے جب، انسان سے محاسبہ کیا جائے جب اس سے پوچھا جائے کہ
جو کچھ دنیا میں اس کو دیا گیا تھا اس پر تصرف کے اختیارات کو اس نے کس طرح استعمال کیا۔ جب یہ
دیکھا جائے کہ اس نے اپنی آزادی انتخاب کو استعمال کر کے صحیح راستہ اختیار کیا یا غلط۔ جب اس کے
اختیاری اعمال کی جانچ کی جائے اور نیک عمل پر جزا اور بُرے عمل پر سزا دی جائے۔ یہ وقت
لا محالہ انسان کا کارنامہ زندگی ختم اور اس کا ذکر عمل بند ہونے کے بعد ہی آسکتا ہے نہ کہ اس سے
پہلے۔ اور یہ وقت لازماً اسی وقت آنا چاہیے جبکہ ایک فرد یا ایک قوم کا نہیں بلکہ تمام انسانوں
کا ذکر عمل بند ہو۔ کیونکہ ایک فرد یا ایک قوم کے مرنے پر ان اثرات کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا
جو اس نے اپنے اعمال کی بدولت دنیا میں چھوڑے ہیں۔ اُس کے چھوڑے ہوئے اچھے یا بُرے
اثرات بھی تو اس کے حساب میں شمار ہونے چاہئیں۔ یہ اثرات جب تک مکمل طور پر ظاہر نہ
ہوں گے انصاف کے مطابق پورا محاسبہ کرنا اور پوری جزا یا سزا دینا کیسے ممکن ہے۔ اس طرح
انسان کا اپنا وجود اس بات کی شہادت دیتا ہے، اور زمین میں انسان کو جو حقیقت حاصل ہے
وہ آپ سے آپ اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ دنیا کی موجودہ زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی
ہونی چاہیے جس میں عدالت قائم ہو اور انصاف کے ساتھ انسان کے کارنامہ زندگی کا محاسبہ کیا
جائے، اور ہر شخص کو اس کے کام کے لحاظ سے جزا دی جائے۔

تو اس فقرے میں آخرت کی دو مزید دلیلیں دی گئی ہیں۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اگر انسان
اپنے وجود سے باہر کے نظام کائنات کو بیخوردیکھے تو اسے دو حقیقتیں نمایاں نظر آئیں گی۔

ایک یہ کہ یہ کائنات برحق بنائی گئی ہے۔ یہ کسی بچے کا کھیل نہیں ہے کہ محض دل بہلانے کے لیے اس نے ایک بڑھنگا سا گھرنڈا بنا لیا ہو جس کی تعمیر اور تخریب دونوں ہی بے معنی ہوں۔ بلکہ یہ ایک منجیدہ نظام ہے، جس کا ایک ایک ذرہ اس بات پر گواہی دے رہا ہے کہ اسے کمال درجہ حکمت کے ساتھ بنایا گیا ہے، جس کو ہر چیز میں ایک قانون کا فرمایا ہے، جس کی پرورشے با مقصد ہے۔ انسان کا سارا تمدن اور اس کی پوری معیشت اور اس کے تمام علوم و فنون خود اس بات پر گواہ ہیں کہ دنیا کی ہر چیز کے پیچھے کام کرنے والے قوانین کو دریافت کر کے اور پرورشے جس مقصد کے لیے بنائی گئی ہے اسے تلاش کر کے ہی انسان یہاں یہ سب کچھ تعمیر کر سکا ہے، اور نہ ایک بے ضابطہ اور بے مقصد کھلونے میں اگر ایک پتے کی حیثیت سے اس کو رکھ دیا گیا ہوتا تو کسی سائنس اور کسی تہذیب و تمدن کا تصور تک نہ کیا جاسکتا تھا۔ اب آخر یہ بات تمہاری عقل میں کیسے سمائی ہے کہ جس حکیم نے اس حکمت اور مقصدیت کے ساتھ یہ دنیا بنائی ہے اور اس کے اندر تم جیسی ایک مخلوق کو اعلیٰ درجہ کی ذہنی و جسمانی طاقتیں دیکر، اختیارات دے کر، آزادی انتخاب دے کر، اخلاق کی حس دے کر اپنی دنیا کا بے شمار سرد سامان تمہارے حوالہ کیا ہے، اس نے تمہیں بے مقصد ہی پیدا کر دیا ہو گا؟ تم دنیا میں تعمیر و تخریب اور نیکی و بدی، اور ظلم و عدل، اور راستی و ناراستی کے سارے ہنگامے برپا کرنے کے بعد میں یونہی مر کر مٹی میں مل جاؤ گے اور تمہارے کسی اچھے یا بُرے کام کا کوئی نتیجہ نہ ہو گا؟ تم اپنے ایک ایک عمل سے اپنی اور اپنے جیسے ہزاروں انسانوں کی زندگی پر اور دنیا کی بے شمار اشیاء پر بہت سے مفید یا مضر اثرات ڈال کر چلے جاؤ گے اور تمہارے مرتے ہی یہ سارا دفتر عمل میں یونہی لپیٹ کر دیا ہو گا؟

دوسری حقیقت جو اس کائنات کے نظام کا مطالعہ کرنے سے صاف نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں کسی چیز کے لیے بھی ہمیشگی نہیں ہے۔ ہر چیز کے لیے ایک عمر مقرر ہے جسے پہنچنے کے بعد وہ ختم ہو جاتی ہے۔ اور یہی معاملہ بحیثیت مجموعی پوری کائنات کا بھی ہے۔ یہاں حقیقی طاقتیں کام کر رہی ہیں وہ سب محدود ہیں۔ ایک وقت تک ہی وہ کام کر رہی ہیں، اور کسی وقت پر انہیں

مگر بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔ اور کیا یہ لوگ کبھی زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ انہیں اُن لوگوں کا انجام نظر آتا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ وہ ان سے زیادہ

لا محالہ خرچ ہو جانا اور اس نظام کو ختم ہو جانا ہے۔ قدیم زمانے میں تو علم کی کمی کے باعث اُن فلسفیوں اور سائنسدانوں کی بات کچھ چل بھی جاتی تھی جو دنیا کو ازلی وابدی قرار دیتے تھے۔ مگر موجودہ سائنس نے عالم کے حدوث و قدم کی اُس بحث میں، جو ایک مدت دراز سے دہریوں اور خدا پرستوں کے درمیان چلی آ رہی تھی، قریب قریب حتمی طور پر اپنا دورِ خدا پرستوں کے حق میں ڈال دیا ہے۔ اب دہریوں کے لیے عقل اور حکمت کا نام لیکر یہ دعویٰ کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے کہ دنیا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اور قیامت کبھی نہ آئے گی۔ پرانی مادہ پرستی کا سارا انحصار اس تخیل پر تھا کہ مادہ فنا نہیں ہو سکتا، صرف صورت بدلی جاسکتی ہے، مگر ہر تغیر کے بعد مادہ وہی رہتا ہے اور اس کی مقدار میں کوئی کمی و بیشی نہیں ہوتی۔ اس بنا پر یہ نتیجہ نکالا جاتا تھا کہ اس عالم مادی کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ لیکن اب جوہری توانائی (ATOMIC ENERGY) کے انکشاف نے اس پورے تخیل کی بساط اٹھ کر رکھ دی ہے۔ اب یہ بات کھل گئی ہے کہ قوت مادے میں تبدیل ہوتی ہے اور مادہ پھر قوت میں تبدیل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ نہ صورت باقی رہتی ہے نہ ہبوتی۔ اب حرکیات حرارت کے دو سقانون (SECOND LAW OF THERMO-DYNAMICS) نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ عالم مادی نہ ازلی ہو سکتا ہے نہ ابدی۔ اس کو لازماً ایک وقت شروع اور ایک وقت ختم ہونا ہی چاہیے۔ اس لیے سائنس کی بنیاد پر اب قیامت کا انکار ممکن نہیں رہا ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ جب سائنس ہتھیار ڈال دے تو فلسفہ کن ٹانگوں پر اٹھ کر قیامت کا انکار کرے گا۔

یعنی اس بات کے منکر کہ انہیں مرنے کے بعد اپنے رب کے سامنے حاضر ہونا ہے۔

یہ آخرت کے حق میں تاریخی استدلال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آخرت کا انکار دنیا میں دوجا آدمیوں ہی نے نہیں کیا ہے۔ انسانی تاریخ کے دوران میں کثیر التعداد انسان اس مرض میں مبتلا ہوتے رہے ہیں بلکہ پوری پوری قومیں ایسی گزری ہیں جنہوں نے یا تو اس کا انکار کیا ہے، یا

حافظ رکھتے تھے، انہوں نے زمین کو خوب اُدھیرا تھا اور اُسے اُنا اُبا دیکھا تھا حینا انہوں نے نہیں لیا ہے۔ اُن کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لیکر آتے۔ پھر اللہ ان پر ظلم کرنے والا

اس سے غافل ہو کر رہی ہیں، یا حیات بعد الموت کے متعلق ایسے غلط عقیدے ایجاد کر لیے ہیں جن سے آخرت کا عقیدہ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ پھر تاریخ کا مسلسل تجربہ یہ بتاتا ہے کہ انکارِ آخرت جس صورت میں بھی کیا گیا ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کے اخلاق بگڑے، وہ اپنے آپ کو غیر ذمہ دار سمجھ کر تتر بے تتر ہمارے گئے، انہوں نے ظلم و نسا اور فسق و فجور کی حد کر دی، اور اسی چیز کی بدولت قوموں پر قرین تباہ ہوتی چلی گئیں۔ کیا ہزاروں سال کی تاریخ کا یہ تجربہ، جو پے در پے انسانی نسلوں کو پیش آتا رہا، یہ ثابت نہیں کرتا کہ آخرت ایک حقیقت ہے جس کا انکار انسان کے لیے تباہ کن ہے؟ انسان کشتِ نعل کا اسی لیے تو قائل ہوا ہے کہ تجربے اور مشاہدے سے اس نے مادی اشیا کو ہمیشہ زمین کی طرف گرتے دیکھا ہے۔ انسان نے زہر کو زہر اسی لیے تو مانا ہے کہ جس نے بھی زہر کھایا وہ ہلاک ہوا۔ اسی طرح جب انکارِ آخرت ہمیشہ انسان کے لیے اخلاقی بگاڑ کا موجب ثابت ہوا ہے تو کیا یہ تجربہ یہ سستی دینے کے لیے کافی نہیں ہے کہ وہ حقیقت کے خلاف ہے اور اصل حقیقت اس کے برعکس ہے؟

۹۵ اصل میں لفظ اُنَا وَاوَالْآرْضِ استعمال ہوا ہے۔ اس کا اطلاق زراعت کے لیے بل بپلکا پر بھی ہو سکتا ہے اور زمین کھود کر زیر زمین پانی، نہریں، کانزریں اور معدنیات وغیرہ نکالنے پر بھی۔ نلہ اس میں ان لوگوں کے استدلال کا جواب موجود ہے جو محض مادی ترقی کو کسی قوم کے صالح ہونے کی علامت سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے زمین کے ذرائع کو اتنے بڑے پیمانے پر استعمال (EXPLOIT) کیا ہے، جنہوں نے دنیا میں عظیم الشان تعمیری کام کیے ہیں اور ایک شاندار تمدن کو جنم دیا ہے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جہنم کا ایندھن بنا دے۔ قرآن اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ یہ "تعمیری کام" پہلے بھی بہت سی قوموں نے بڑے پیمانے پر کیے ہیں، پھر کیا تمہاری آنکھوں نے نہیں دیکھا کہ وہ قومیں اپنی تہذیب اور اپنے تمدن سمیت پیوندِ خاک ہو گئیں اور ان کی "تعمیر" کا تھر ٹلک بوس زمین پر آ رہا؟ جس خدا کے قانون نے یہاں عقیدہ حق اور اخلاقِ صالح کے بغیر محض مادی تعمیر کی یہ

نہ تھا، مگر وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔ آخر کار جن لوگوں نے برائیاں کی تھیں ان کا انجام بہت بُرا ہوا، اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا تھا اور وہ ان کا مذاق اڑاتے تھے ۷

ع

قدر کی ہے، آخر کیا وجہ ہے کہ اسی خدا کا قانون دوسرے جہان میں انہیں واصل سمجھتم نہ کرے۔
 اللہ یعنی ایسی نشانیاں لیکر آتے جو ان کے نبی صادق ہونے کا یقین دلانے کے لیے کافی تھیں۔ اس سیاق و سباق میں انبیاء کی آمد کے ذکر کا مطلب یہ ہے کہ ایک طرف انسان کے اپنے جود میں، اور اس سے باہر ساری کائنات کے نظام میں، اور انسانی تاریخ کے مسلسل تجربے میں آخرت کی شہادتیں موجود تھیں، اور دوسری طرف پے در پے ایسے انبیاء بھی آئے جن کے ساتھ ان کی نبوت کے برحق ہونے کی کھلی کھلی علامتیں پائی جاتی تھیں، اور انہوں نے انسانوں کو خبردار کیا کہ فی الواقع آخرت آنے والی ہے۔

اللہ یعنی اس کے بعد جو تباہی ان قوموں پر آئی وہ ان پر خدا کا ظلم نہ تھا بلکہ وہ ان کا اپنا ظلم تھا جو انہوں نے اپنے اوپر کیا۔